متحدہ ہندوستان میں مذہبی اقلیتوں کے ارتقا کا سیاسی و تاریخی جائزہ

(Political and Historical Overview of the Evolution of Religious Minorities in United India)

Dr. Khalid Mahmood[1]

Abstract:

The British played a significant role in developing the minorities on the basis of religion during their reign in the united India. They adopted the policy of divide and rule in the sub-continent. The Hindus, Muslims, Buddhists, Sikhs, and the followers of other religion have been living in sub-continent like brethren; however, they were divided by the British and the concept of minorities developed as time passed by. Moreover, the relations between Hindus and Muslins remained healthy since the arrival of Muhammad bin Qasim in South Asia. During the Mughals' period; especially in the domination of Akbar a large number of Hindus were included in the government. The military and administrative matters had also been controlled by the Hindus. The British entered in India for the sake of trading but they interfered soon in the political matters. They particularly implemented their policy of divide and rule after the war of intendance 1857. In this way, the British were succeeded to control the politics and administration of the India.

Keywords: *Minority, Communal, Religion, Political, United, Cruelty.*

اقلیت کا لفظ قلیل سے نکلا ہے جس کا مطلب مختصر یا چھوٹا ہوتا ہے۔ اقلیت کے لیے انگریزی زبان میں لفظ Minority استعمال ہوتا ہے۔ کسی معاشرے کے تناظر میں جب یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مراد معاشرے کے اکثریتی گروہ کے مقابلے میں چھوٹے یا قلیل گروہ سے ہوتی ہے۔ بالعموم یہ لفظ نسلی، لسانی اور مذہبی گروہوں کے حوالے سے استعمال ہوتا ہے جن کی تعداد کم ہو۔ اگرچہ اقلیت کی کئی اقسام ہیں لیکن پاکستان میں عام طور پر اقلیت سے مراد غیر مسلم آبادی کے گروہوں کو لیا جاتا ہے بلکہ اقلیت کا لفظ غیر مسلموں کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ دورِ حاضر میں اقلیتوں کی متعدد اقسام وجود میں آچکی ہیں اور افراد کو رنگ، نسل، زبان اور مذہب کی بنیاد پر اقلیتی گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ تاہم زیر نظر تحقیق میں صرف مذہبی اقلیتوں کے حوالے سے بات کی جارہی ہے۔

[1]. Lecturer, Department of Pakistan Studies, Allama Iqbal Open University, Islamabad. Pakistan

اقلیت کی تعریف:

ہر چند کہ اقلیت کا مفہوم اوپر کی عبارت میں درج کر دیا گیا ہے لیکن اس مفہوم کی مزید وضاحت ان تعریفوں کی مدد سے ہو سکتی ہے جو مختلف اہل فکر نے اپنے اپنے مطالعے اور نقطۂ نظر کے مطابق دی ہے۔ ایک تعریف ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

"سادہ الفاظ میں اقلیت سے مراد تعداد میں کم ہونا ہے، اس لحاظ سے اقلیتی گروہوں کی تعداد ان گنت ہے اور ہم سب کا تعلق متعدد اقلیتوں سے ہے۔ تاہم ورتھ نے اپنی تعریف میں طبعی اور ثقافتی خوبیوں کی بنیاد پر اقلیت کو متعارف کرایا ہے اور اس نے جنس، عمر، معذوری اور ناپسندیدہ رویوں کو شامل نہیں کیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اقلیتوں سے مراد نسلی اور علاقائی گروہ لیتا ہے۔"[2]

مندرجہ بالا تعریف کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ دنیا میں کئی قسم کے اقلیتی گروہ موجود ہیں چونکہ اقلیت سے مراد تعداد میں کم ہونا ہے لہٰذا آبادی کا ہر گروہ کسی نہ کسی خصوصیت کے اعتبار سے اقلیت کے زمرے میں آ جاتا ہے۔ "قومی انگریزی اردو لغت" میں اقلیت کی تعریف کچھ اس طرح سے ہے۔

"کم تر حصہ یا تعداد یا کل تعداد کے نصف سے کم: آبادی کا وہ حصہ جو اکثریت سے نسل، مذہب، قومیت یا سیاسی وابستگی میں مختلف ہو، خاص طور پر جب ان سے امتیازی برتاؤ کیا جاتا ہو، اکثریت کے مقابلے میں چھوٹا گروہ یا جماعت جیسے ووٹ ڈالنے یا کسی دوسرے عمل میں۔"[3]

ڈاکٹر جمیل جالبی نے درج بالا تعریف میں مذہب، نسل اور قومیت کے ساتھ سیاسی وابستگی کو بھی بنیاد بنایا ہے۔ جالبی نے ووٹ ڈالنے کے عمل میں بھی کسی چھوٹے گروہ کو اقلیت قرار دیا ہے۔ اس کے برعکس انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کی تعریف میں ثقافتی اور علاقائی اعتبار سے بھی چھوٹے گروہوں کو اقلیت شمار کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

"اقلیت سے مراد کسی بڑے علاقے میں رہائش پذیر ایسا امتیازی گروہ ہے جو ثقافتی، نسلی اور علاقائی لحاظ سے الگ حیثیت کا حامل ہو، یہ اصطلاح ایسے گروہ کے لیے استعمال کی جاتی ہے جو سیاسی و سماجی طور پر محکوم و مغلوب ہو۔"[4]

---

[2]. Berry, Brewton and Tischler, Henry L., "*Race and Ethnic Relations"* (4th Edition), Boston: Houghton Mifflin Company, 1978. p 40

[3]۔ جالبی، ڈاکٹر جمیل، ''قومی انگریزی اردو لغت'' (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع سوم 1996ء) ص:1244۔

[4]. Encyclopaedia Britannica (vol.8) (15th Edition), USA: 1985. p.169.

درج بالا تعریف میں ثقافتی، نسلی اور علاقائی لحاظ سے منفرد گروہ کو اقلیت تو قرار دیا گیا ہے لیکن اس میں تعداد کے کم ہونے کی شرط نہیں رکھی گئی بلکہ ایسے گروہ کو اقلیت کہا گیا ہے جو سماجی و سیاسی طور پر مغلوب ہو۔ اقلیت کی ایسی ہی تعریف محمد علی کیتانی نے بھی بیان کی ہے۔ کیتانی کا کہنا ہے کہ آبادی کے کسی گروہ کو اقلیت قرار دینے کے لیے اس کا تعداد میں کم ہونا ضروری نہیں بلکہ صرف محکوم و مغلوب ہونے کی صورت میں اسے اقلیت کہا جا سکتا ہے۔[5]

مندرجہ بالا تعریفوں کی روشنی میں یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی مخصوص علاقے یا ملک میں موجود انسانوں کا کوئی بھی گروہ جو رنگ، نسل، زبان، قبیلے یا مذہب کے اعتبار سے منفرد ہو اور عام آبادی کے مقابلے میں تعداد میں بھی کم ہو اقلیتی گروہ کہلاتا ہے۔

مذہبی اقلیتیں:

کسی بھی معاشرے میں موجود اقلیت کا ایسا گروہ جو مذہب کی بنیاد پر آبادی کے بڑے حصے سے منفرد ہو اور اپنے مخصوص مذہبی عقائد کی وجہ سے اپنی پہچان رکھتا ہو اسے مذہبی اقلیتی گروہ کہا جاتا ہے۔ ایک ہی علاقے یا ریاست میں بیک وقت متعدد مذہبی اقلیتیں اپنا وجود رکھ سکتی ہیں جیسا کہ پاکستان میں مسلمان اکثریت کے مقابلے میں ہندو، عیسائی، سکھ اور پارسی وغیرہ مذہبی اقلیت کے طور پر موجود ہیں اور مسلمان اکثریت میں ہیں۔ اس کے برعکس یہی مسلمان بھارت میں سب سے بڑی اقلیت کے طور پر شمار کیے جاتے ہیں۔ لازمی نہیں ہے کہ کسی ایک ملک کی اقلیت پوری دنیا میں اقلیت شمار کی جاتی ہو۔ دوسرے حلقوں کے مقابلے میں غیر اطمینان بخش ہو نیز معاشرے میں انہیں اکثریتی طبقے کے مقابلے میں زیادہ مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہو، چاہے وہ کسی بھی زبان، رنگ، نسل یا قبیلے سے تعلق رکھتے ہوں۔

متحدہ ہندوستان میں مختلف مذہبی اقلیتیں:

مختلف مذہبی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی وجوہات کی بنا پر پاکستان 14 / اگست 1947ء کو وجود میں آیا۔ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے عمل کا دوسرا نام تقسیم ہند ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے ہندوستان جنوبی ایشیا میں واقع ہے جو قدیم تہذیب و ثقافت اور رسوم و رواج ہی نہیں بلکہ قدیم مذاہب کا بھی مرکز رہا ہے۔ ہندوستان کے قدیم لوگوں کا کوئی مخصوص مذہب نہ تھا اور یہ لوگ مختلف مظاہرِ فطرت مثلاً درختوں، جانوروں اور پتھروں کی پوجا کرتے تھے۔ ہندوستان میں بسنے والے افراد علاقے کے نام کی مناسبت سے ہندو کہلاتے تھے۔ ہندو مت، ذات پات پر مشتمل سماجی نظام تھا۔ اور اس نظام کے تحت ہندوؤں کو چار اہم گروہوں یا ذاتوں میں تقسیم کیا گیا تھا، ان میں برہمن، کھشتری، ویش اور شودر شامل ہیں۔ بعد میں یہاں کے لوگ نئے مذاہب

---

[5]. Kettani, M. Ali, "*Muslim Minorities in the World Today* (Lahore: Services Book Club, 1990) pp. 2,3.

سے روشناس ہوئے، کچھ مذاہب تو بیرونی حملہ آوروں اور نئے لوگوں کی آمد سے متعارف ہوئے جبکہ کچھ مذاہب خود ہندوؤں کی اصلاحی تحریکات کے نتیجے میں پروان چڑھے۔ اس طرح جب نئے مذاہب پروان چڑھے تو ان کے پیروکاروں کو نئے نام دیئے گئے اور جن لوگوں نے کوئی دوسرا مذہب اختیار نہیں کیا وہ ہندو کے نام سے مشہور ہو گئے، چونکہ دیگر تمام مذاہب کے ماننے والے عددی اقلیت میں تھے اور ان کے مذہب کا ایک الگ نام بھی تھا لہٰذا لفظ ہندو اکثریتی طبقے کے لیے استعمال کیا جانے لگا اور یوں ہندوستان کے ایک بڑے گروہ کا مذہب ہندو مشہور ہو گیا۔

محمد فاروق کمال کے بقول ہندو مت کوئی مخصوص مذہب نہیں بلکہ ہندوستان میں پائے جانے والے متعدد مذاہب کا مجموعہ ہے۔ وشنو یا شیو کے ماننے والے ہوں یا جین مت اور بدھ مت کے پیروکار، سبھی خود کو ہندو کہلوانا پسند کرتے ہیں، شکتی کے پجاری اور گرونانک کے پیروکار علیحدہ علیحدہ مذاہب سے تعلق رکھتے تھے لیکن یہ سب خود کو ہندو بھی کہلواتے تھے۔ اگرچہ متذکرہ بالا تمام مذاہب میں بڑی حد تک اختلافات ثابت ہیں لیکن اس کے باوجود ان تمام مذاہب کو مجموعی طور پر ہندو مت کا نام دیا جاتا ہے۔[6]

اکثر مصنفّین نے ہندوستان میں سماجی تقسیم کے چار درجات کا تذکرہ کیا ہے اور ان چاروں درجات کی تقسیم ذات پات کی بنیاد پر عمل میں لائی گئی ہے، ان ذاتوں میں برہمن، کھشتری، ویش اور شودر شامل ہیں اور یہ چاروں ذاتیں ہندو مت سے تعلق رکھتی ہیں تاہم کمال کے مطابق ہندوستان میں ایک پانچویں قوم بھی تھی جسے ہندوؤں کی پہلی چار ذاتوں کے لوگ اچھوت کہا کرتے تھے، ہندوؤں کی نظر میں اچھوت سے مراد کم ذات لوگ تھے، دراصل یہ اصطلاح ان لوگوں کے لیے استعمال کی جاتی تھی جو ہندو مت کے دائرے سے خارج تھے یعنی غیر ہندو تھے مثلاً ً مسلمان، عیسائی، پارسی اور یہودی وغیرہ۔[7]

بدھ مت ہندوستان کے قدیم مذاہب میں سے ہے۔ اس کے پیروکار بھی خود ہندو سماج کی تبدیلی کا نتیجہ تھے اور یہ لوگ باہر سے نہ آئے تھے۔ صاحبزادہ عبدالرسول کا کہنا ہے کہ بدھ مت کا بانی بھی خود ایک ہندو راجہ کی اولاد تھا، وہ ایک شہزادہ تھا جسے عیش و عشرت کی زندگی ناپسند تھی، انتیس سال کی عمر میں اس نے دنیا کو خیرباد کہا، جنگلات کو اپنا مسکن بنایا اور پینتیس برس کی عمر میں یہ گوتم بدھ یعنی عارف کامل کہلایا۔ اس کی تحریک ہندو مذہب کی اصلاحی تحریک تھی اس نے نہ تو کوئی نیا مذہب دریافت کیا اور نہ ہی خدا کے بارے میں کوئی نظریہ پیش کیا۔ اس کی تعلیمات میں نہ تو خدا کی ہستی کو تسلیم کرنے کا تذکرہ

---

[6] ۔ کمال، محمد فاروق، "اسلام برائے مذاہبِ ہند" (لاہور: ڈیفنڈرز آف اسلام ٹرسٹ، مارچ 2003ء) ص 11-15

[7] ۔ ایضاً، ص:100۔

ہے اور نہ ہی اس کے انکار کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔80 برس کی عمر میں وفات پانے والے اس شخص نے اپنی ساری زندگی ایک عملی نمونہ بنا کر اپنے پیروکاروں کے سامنے پیش کی۔[8] گوتم بدھ نے اپنی بادشاہت کو ترک کیا اور ہندو سماج سے برائی کے خاتمے کا اعلان کیا۔ اس کی تعلیمات پسماندہ طبقوں کے لیے راہ نجات کا درجہ رکھتی تھیں غالباً یہی وجہ تھی کہ بہت سے ہندو خصوصاً نچلی ذات کے ہندوؤں نے بدھ مذہب کو قبول کیا، اس وقت کے حالات کے اعتبار سے نچلے طبقے کے ہندوؤں کے لیے بدھ مت سے بہتر کوئی مذہب نہ تھا۔ بعد میں جب بدھ مت زوال پذیر ہوا تو انہی لوگوں میں سے بعض نے اسلام قبول کیا۔ کچھ لوگ دوبارہ اپنے سابقہ مذہب یعنی ہندو مت کی طرف لوٹ گئے اور بہت سے لوگ اپنے مذہب پر قائم بھی رہے۔ گوتم بدھ نے رحم دلی، رواداری، مساوات اور عدل وانصاف کا درس دیا جس کی وجہ سے اس کی تعلیمات دور دراز علاقوں تک پھیل گئیں اور لوگوں نے اس کی تعلیمات کو صدقِ دل سے قبول کیا۔ اشوک جیسا عظیم بادشاہ بھی اس مذہب کی تعلیمات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

آٹھویں صدی عیسوی میں محمد بن قاسم کی آمد سے اسلام کی باقاعدہ اشاعت کا آغاز ہوا، اگرچہ اس سے قبل بھی ہندوستان میں اسلام کی موجودگی ثابت ہوتی ہے لیکن محمد بن قاسم نے ایک باقاعدہ اسلامی حکومت تشکیل دے کر اسلام کی اشاعت کے راستے ہموار کیے۔ بعد میں اسلام تیزی سے پھیلتا رہا یہاں تک کہ ہندو مت کے بعد اسلام کو ہندوستان میں سب سے بڑے مذہب کی حیثیت حاصل ہو گئی اور مسلمان کئی سو سال تک ہندوستان پر حکومت کرتے رہے۔

سولہویں صدی عیسوی کے آغاز میں ہندوستان میں ایک نئے مذہب کی ابتدا ہوئی جسے سکھ مت کا نام دیا گیا۔ یہ لوگ بھی بنیادی طور پر متحدہ ہندوستان کے باسی تھے اور اصلاح کی غرض سے نئے مذہب میں شامل ہوتے گئے۔ اس ضمن میں آئن ٹالبوٹ کا کہنا ہے کہ سکھ مت کا بانی گرونانک ہندو مت سے تعلق رکھنے والے ایک کھتری گھرانے میں پیدا ہوا، گرونانک کا مقصد کسی نئے مذہب کی بنیاد رکھنا نہیں تھا بلکہ وہ ہندو مذہب میں شامل خرابیوں کی اصلاح چاہتے تھے اور لوگوں کو سیدھی راہ دکھانے کے خواہش مند تھے لہٰذا گرونانک نے 1500ء میں ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی اور ان کے پیروکار سکھ کہلائے۔ گرو نانک ہندوؤں کی ذات پات کے نظام کو ختم کر کے ایک منصفانہ معاشرے کی تشکیل چاہتے تھے۔ ان کی تعلیمات سے متاثر ہو کر لوگوں کی بڑی تعداد نے سکھ مت کو قبول کر لیا تھا اور گرونانک کو اپنا روحانی رہنما تسلیم کر لیا تھا۔ 1539ء میں گرونانک اس دنیا سے رخصت ہوئے۔[9]

[8]۔ عبدالرسول، صاحبزادہ، "تاریخ پاک وہند" (لاہور: ایم۔ آر۔ برادرز، 1964ء) ص: 75-80۔

[9]۔ ٹالبوٹ، آئن، "تاریخ پنجاب" مترجم: پروفیسر طاہر کامران (لاہور: تخلیقات، 2006ء) ص44۔

ہندوستان میں عیسائیت کی ابتدا مغل دورِ حکومت سے بہت پہلے کی ہے۔ پنجاب کے کئی شہروں میں عیسائیت کی موجودگی کا حوالہ متعدد محققین کی تصانیف میں ملتا ہے۔ احمد سلیم کا کہنا ہے کہ مغل حکمرانوں کا عیسائیت سے دلی لگاؤ رہا ہے نیز کچھ مغل شہزادوں کے بارے میں مشہور تھا کہ انہوں نے عیسائیت قبول کر لی لیکن ہندوستان میں عیسائیت کا باضابطہ فروغ انگریزوں کی آمد کے بعد ہوا۔ انگریز نے یہاں کے لوگوں کی اصلاح کی خاطر عیسائی مشنریوں کو ہندوستان میں نہ صرف بلوایا بلکہ ان کی نگرانی اور سرپرستی بھی کی، ہندوستان میں عیسائیت قبول کرنے والوں کی بڑی تعداد کا تعلق نچلی ذات کے لوگوں سے تھا۔[10]

فادر عنایت برنارڈ نے لکھا ہے کہ پنجاب میں مسیحیت کا باقاعدہ آغاز 1844ء سے ہوا، شروع شروع میں تو پادری صاحبان یورپی مسیحیوں کی روحانی تربیت کے لیے آگرہ سے لاہور آیا کرتے تھے تاہم 1847ء میں انارکلی پیرش نے کام کا آغاز کیا تو ان پادریوں نے یہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اس پیرش میں 1861ء تک گرجاگھر کی تعمیر مکمل ہو گئی تھی۔[11]

پاکستان میں پارسی اگرچہ قلیل تعداد میں آباد ہیں لیکن ملک میں اقلیت کی حیثیت سے ان کی موجودگی اہمیت کی حامل ہے۔ بنیادی طور پر پارسیوں کا تعلق فارس یعنی ایران سے ہے، پارسی ایک قدیم مذہب ہے یہ لوگ آگ کی پوجا کرتے ہیں اور ان کی عبادت گاہ کو "آتش کدہ" کہتے ہیں۔ یہ لوگ پہلے ہندوستان کے ساحلی شہروں میں آباد ہوئے (جن میں مارواڑ، سورت اور بمبئی شامل ہیں) بعد میں ان میں سے کچھ کراچی میں آکر رہائش پذیر ہوئے، کراچی میں ان کی آمد 1843ء میں ہوئی اور یہاں آتے ہی پارسیوں نے سماجی و سیاسی خدمات انجام دے کر اعلیٰ مقام حاصل کر لیا۔[12]

بہائیت کا ظہور ایران سے ہو، اس مذہب کے بانی حضرت علی محمد باب 1819ء کو ایران میں پیدا ہوئے۔[13]
حضرت علی محمد باب نے اپنے اٹھارہ حواریوں یا شاگردوں کے تعاون سے اس مذہب کی تعلیمات کو عام کیا۔ حضرت علی محمد باب نے 25 سال کی عمر میں 1844ء میں حج بیت اللہ کے موقع پر اپنے ظہور کا اعلان کیا اور اپنے شاگردوں کو بہائیت کی اشاعت پر معمور فرمایا۔ حضرت باب کی تعلیمات کے ماننے والے "بابی" کہلائے۔ علی محمد باب کو 31 سال کی عمر میں 1850ء میں ایران کے شہر تبریز میں جاں بحق کیا گیا۔ ان کے بعد حضرت بہاء اللہ اور حضرت عبد البہاء نے یہ مشن جاری رکھا۔[14]

---

[10]۔ سلیم، احمد، "پاکستان میں مخلوط اور جداگانہ انتخابات کی سیاست" (اسلام آباد: دوست پبلیکیشنز، 2002) ص: 12۔

[11]۔ برنارڈ، فادر عنایت، "پنجاب میں مسیحیت" (گوجرانوالہ: مکتبہ عناویم پاکستان، 1997ء) ص: 19۔

[12]۔ ایضاً، ص: 39۔

[13]۔ یہاں لفظ "حضرت" نام کا حصہ نہیں ہے بلکہ احتراماً لکھا گیا ہے، جیسا کہ نام سے پہلے سید یا مسٹر لکھتے ہیں۔

[14]۔ ایسلمنٹ، جے ای، "بہاء اللہ و عصر جدید" مترجم: عباس علی بٹ (راولپنڈی: بہائی پبلشنگ ٹرسٹ، 2002ء) ص: 27-33۔

حضرت بہاء اللہ کی تعلیمات سے متاثر ہونے والے لوگوں پر جب ایران میں زمین تنگ کر دی گئی اور اس مذہب کے بانیوں کو چن چن کر قتل کیا جانے لگا تو یہ لوگ دیگر ممالک میں منتشر ہو گئے اور اس طرح بہائیت بھی پھیلتی رہی۔ چونکہ بہائی مذہب میں کسی ایک جگہ اکٹھا رہنے کی بجائے منتشر ہو کر رہنے کا حکم دیا گیا ہے لہٰذا بہائی مذہب جدید ہونے کے باوجود اس کے پیروکار دنیا کے کئی ممالک میں موجود ہیں۔ پاکستان میں ان کی آبادی کسی بھی دوسری مذہبی اقلیت کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے۔ تاہم پاکستان کے متعدد شہروں میں بہائی موجود ہیں اور ملک میں اہم سماجی خدمات انجام دینے میں شب و روز مصروف عمل ہیں۔[15]

قادیانیت کی ابتدا ہندوستان میں ضلع گورداس پور کے علاقے قادیان سے ہوئی، اس کے بانی مرزا غلام احمد تھے جو قادیان کے ایک مسلمان گھرانے میں 1835ء میں پیدا ہوئے۔ 1882ء میں انھوں نے دعویٰ کیا کہ انہیں خدا نے کسی خاص مقصد کے لیے دنیا میں بھیجا ہے جب کہ کچھ عرصہ بعد مرزا غلام احمد نے خود کو ''عیسیٰ'' اور ''مہدی'' قرار دیا جس کی وجہ سے مسلمانوں میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی اور مسلمان علماء نے انہیں اسلام سے خارج قرار دیا۔ مرزا غلام احمد کی وفات کے بعد ان کا مذہب دو گروہوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک گروہ جو مرزا غلام احمد کو ''نبی'' کا درجہ دیتا ہے اسے احمدی یا قادیانی یا مرزائی کہا جاتا ہے جب کہ دوسرے گروہ کے لوگ جو انہیں ''نبی'' کا درجہ نہیں دیتے لیکن انہیں اپنا رہنما تسلیم کرتے ہیں، ''لاہوری'' کہلاتے ہیں۔[16]

مسلم قادیانی تنازعہ قیام پاکستان سے قبل بھی موجود رہا ہے اور برصغیر کے علماء عرصہ دراز سے انہیں غیر مسلم قرار دینے کا مطالبہ کرتے رہے ہیں۔ 50 کی دہائی میں پاکستان بھر میں احمدیوں کے خلاف بھرپور تحریک چلی جس کے نتیجے میں خصوصاً پنجاب کے متعدد علاقوں میں خون خرابہ بھی ہوا۔ آخر کار بھٹو دور میں 7 ستمبر 1974ء کو پاکستان کی پارلیمنٹ نے ایک آئینی ترمیم کے ذریعے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا۔ اب آئینِ پاکستان کی رو سے یہ لوگ خود کو مسلمان نہیں کہہ سکتے، نہ تو اپنی عبادت گاہ کے لیے مسجد کا لفظ استعمال کر سکتے ہیں اور نہ ہی اذان دے سکتے ہیں۔ تاہم یہ لوگ خود کو غیر مسلم اقلیت تسلیم کرنے کی بجائے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں۔

ہندوستان میں مذہبی اقلیتوں کا ارتقاء:

712ء میں محمد بن قاسم کے حملے کے بعد ہندوستان میں مسلم قومیت کی بنیادیں بھی وجود میں آئیں اور رفتہ رفتہ پروان چڑھتی رہیں۔ شروع شروع میں ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں عرب تاجروں کی آمد سے اسلام پھیلا، پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس

[15]۔ محقق کا انٹرویو، ریاض احمد شیرازی، مذہبی و سماجی رہنما، بہائی ہال، گرومند چوک، کراچی۔

[16]۔ میر، تنویر احمد، مرتضیٰ علی شاہ، "پاکستان کے مذہبی اچھوت" (اسلام آباد: الحسیب پبلشرز، 1998ء) ص: 17-19۔

مذہب کے ماننے والے پورے ہندوستان میں نظر آنے لگے۔ مسلمان بادشاہوں اور سپہ سالاروں کی یہ فتوحات جاری رہیں ان کے زیرِ اثر ریاستوں کی تعداد بڑھتی رہی یہاں تک کہ اسلام کو ہندوستان میں دوسرے بڑے مذہب کی حیثیت حاصل ہو گئی اور مسلمان ہندوستان پر حکمرانی کرنے لگے۔ اسلام چونکہ تبلیغ کے نتیجے میں پھیلا تھا اور اسے ہندوستان کے مقامی لوگوں نے قبول کیا تھا جس کی وجہ سے ہندو اور مسلمان الگ الگ مذاہب سے تعلق رکھنے کے باوجود ایک دوسرے سے جدا نہ ہو سکے، اکبر کے دور میں یہ رواداری اپنے عروج پر تھی۔ تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جب بھی کسی نئے مذہب کا آغاز ہوا، اس کا مقصد اصلاح تھا۔ سماج سے برائی کا خاتمہ اور رواداری کا فروغ ہر مذہب کے بنیادی مقاصد میں شامل رہا ہے، ہندوستان میں بسنے والے دیگر تمام مذاہب کے برعکس مسلمانوں کی یہ خوبی رہی ہے کہ انہوں نے تعداد میں کم ہونے کے باوجود سات سو سال سے زیادہ مدت تک حکمرانی کی۔

اگرچہ ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمان تعداد میں کم تھے لیکن چونکہ وہ طاقت میں زیادہ تھے لہٰذا ان کو کبھی بھی اقلیت میں ہونے کا احساس تک نہ ہوا۔ دوسری جانب مسلمان حکمرانوں کی رواداری کے باعث ہندوؤں کو بھی اپنی محکومی کا احساس نہ ہوا، وہ اپنی مذہبی رسومات اور کاروبار وغیرہ کے سلسلے میں آزاد تھے جس کا سب سے بڑا ثبوت یہی ہے کہ ہندوؤں کی مذہبی اور سماجی آزادی کی وجہ سے ان کے متعدد رسوم و رواج متحدہ ہندوستان میں مسلم معاشرتی ثقافت کا حصہ بن گئے جو ہندوستان کی تقسیم کے بعد بھی ختم نہ ہوئے۔ اس ضمن میں آئن ٹالبوٹ (Ian Talbot) کا کہنا ہے کہ متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے گہرے روابط تھے اور دونوں مذاہب کے لوگوں نے ایک دوسرے کی ثقافت کو کسی حد تک اپنا لیا تھا جیسا کہ ہوشیار پور اور روہتک میں رہنے والی متعدد ہندو خواتین پردہ کرتی تھیں نیز ہندوستان کے مختلف علاقوں میں آباد بہت سے ہندو مندروں میں جانے کے ساتھ ساتھ مسلمان صوفیاء کے درباروں پر بھی جایا کرتے تھے اور مسلمان پیروں کی مریدی اختیار کرتے تھے۔[17]

اکبر کے دور میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے روابط زیادہ گہرے ہو گئے تھے۔ اکبر کے دربار میں ہندوؤں کو خاص اہمیت حاصل تھی اور اس کے بہت سے سپہ سالار ہندو مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ بادشاہ کی طرف سے ہندوؤں کے ساتھ یہ تعلقات اس کی حکومت کو منظم کرنے کے کسی منصوبے کا حصہ ہوں لیکن عام لوگوں میں بھی یہ روابط نمایاں تھے۔ اس ضمن میں چوہدری محمد علی کا کہنا ہے کہ مسلمان ہر شعبہ زندگی میں مہارت رکھتے تھے، وہ زراعت، تعلیم، تجارت اور

---

[17]۔ ٹالبوٹ، آئن، ص: 41-42۔

دیگر شعبوں میں فرائض سر انجام دیتے تھے لیکن اپنے دور حکومت میں انہوں نے ہندوؤں کے لیے روز گار کے مواقع کم نہ ہونے دیئے، اگرچہ مسلمان شہری اور دیہی تمام علاقوں میں آباد تھے،اس کے برعکس انہوں نے زندگی کے ہر شعبے میں ہندوؤں کے لیے ترقی کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھے۔ یہاں تک کہ فوجی اور انتظامی معاملات میں بھی ہندوؤں کی نمائندگی غالب رہی۔ اکثر ایساہوتا تھا کہ مسلمان سپاہی،ہندوسپہ سالاروں کے ماتحت خدمات انجام دیتے تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ متعدد ہندو اکثریتی ریاستوں پر مسلمانوں کی حکومت ہوتی تھی، مسلمان اور ہندو مل جل کر رہتے تھے، ایک ہی محلے میں کئی گھر مسلمانوں کے ہوتے اور کئی گھروں میں ہندو رہتے تھے۔[18]

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تمام تر عرصہ میں سارے ہندوستان کے لوگ ایک وحدت کی شاندار مثال تھے،ہندوستان میں اقلیت اور اکثریت کا نظریہ انگریزوں کی آمد کے بعد پروان چڑھا۔ اس سے پہلے کم از کم مذہبی اقلیت ہونے سے متعلق کسی بحث کا تذکرہ کتابوں میں نہیں ملتا۔اس کی وجہ غالباََ یہ ہے کہ ہندوستان پر مسلم حکمرانوں کا مکمل کنٹرول تھااور وہ اپنی تمام ضروریات کے سلسلے میں خود کفیل تھے۔ نہ توان کو دوسرے ممالک سے کچھ منگوانے کی ضرورت پڑی اور نہ ہی مغربی ممالک سے تجارت کو فروغ ملا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان باقی دنیاسے کٹ کر رہ گیا۔ دنیامیں ہونے والی ترقی سے یہاں کے لوگوں کو کوئی واقفیت نہ تھی۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں یورپ بحری جہاز سازی میں کافی آگے نکل گیااوران بحری بیڑوں کی مدد سے انگریز دنیاکے کسی بھی حصے میں پہنچنے کے قابل ہوگئے۔ انگریز تجارت کی غرض سے ہندوستان آئے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے پورے ہندوستان پر قابض ہوگئے۔ لیکن ہندوستان میں برطانوی راج کے بعد ہمیں نہ صرف لوگوں کے سماجی و اقتصادی حالات میں تبدیلی نظر آتی ہے بلکہ مذہب میں سیاسی مداخلت بھی معلوم ہوتی ہے۔خاص طور پر برطانوی ہند میں عیسائیت کے فروغ کے لیے سرکاری سطح پر کی جانے والی کوششیں مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کے لیے ناقابل برداشت تھیں،اس عرصے میں ہندوستان میں نچلے درجے کے باشندوں کی قابل ذکر تعداد نے عیسائیت کو قبول کیا۔اس طرح یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انگریزنے اپنے اثرورسوخ کو استعمال کرتے ہوئے مذہبی بنیادوں پر ہندوستانی عوام کو تقسیم کرکے اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کی کوشش کی۔

متحدہ ہندوستان میں مسلم لیگ کے قیام سے لے کر تقسیم کا عمل مکمل ہو جانے تک ہندوستانی سیاست میں مسلسل تغیرات کے باوجود یہ بات سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک ان کے مسئلے کاواحد حل محض تقسیم ہند ہی نہیں تھا بلکہ وہ

---

[18]۔ علی، چوہدری محمد، "ظہورِپاکستان" (لاہور: مکتبہ کارواں،1989ء)ص13۔

متحدہ ہندوستان میں رہ کر اپنے آئینی و سیاسی حقوق حاصل کر کے محفوظ مستقبل حاصل کرنے پر رضامند تھے لیکن اس کے باوجود ایسا ممکن نہ ہوا، آخر کار ہندوستان تقسیم ہو گیا اور پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ برصغیر کی تقسیم اور فسادات کے بارے میں آزاد کوثری نے ایچ مکرجی کی رائے نقل کی ہے:

"برطانوی دراصل منتظر تھے اور ان کی بیوروکریسی، پولیس اور مسلح افواج نے کشیدگی میں کمی کرنے کی بجائے اضافہ کیا۔"[19]

اسی طرح ایک روسی مورّخ گینگوسکی نے اپنی کتاب "شارٹ ہسٹری آف پاکستان" میں کہا ہے کہ مسلمانوں کی تحریک دراصل فرقہ پرستی کی تحریک تھی جب کہ نظریہ پاکستان "ڈیوائیڈ اینڈ رُول" یعنی تقسیم کر کے حکومت کرنے کی پالیسی کا حصہ تھا۔ گینگوسکی کے مطابق قیام پاکستان کی تحریک برطانوی سامراج کی بہت بڑی سازش تھی۔[20] آئن ٹالبوٹ کا یہ کہنا ہے کہ متحدہ ہندوستان پر مسلمان حکمرانوں کا کنٹرول تھا جبکہ پنجاب اور سرحدی صوبہ میں سکھوں کی حکومت تھی، مسلمان تو پورے ہندوستان پر قابض تھے لیکن سکھوں کے پاس مخصوص علاقے تھے لہٰذا برطانوی راج نے 1849ء میں سکھوں سے پنجاب چھین کر حکومت اپنے ہاتھ میں لی، پھر انہیں پولیس اور فوج سے نکالا اور ان کی جگہ مسلمانوں کو بھرتی کیا جس کے نتیجے میں سکھوں کی بڑی تعداد جس کا دارومدار سرکاری نوکریوں پر تھا، انتہائی کسمپرسی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئی۔ پھر یہی انگریز سکھوں کے حمایتی بن گئے اور یہی سکھ جنگِ آزادی میں حکومت کے کام آئے۔ یہی وجہ ہے کہ 1857ء کے بعد صورتحال یکسر تبدیل ہو گئی، وہ سکھ جن سے انگریز سرکار اب تک خطرہ محسوس کرتی آئی تھی، سکھوں کی وفاداریاں خریدنے میں کامیاب ہو چکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ 1857ء کی جنگِ آزادی میں سکھوں نے انگریز کا بھرپور ساتھ دیا اور ان کی نظروں میں اہم مقام حاصل کر لیا۔[21] ٹالبوٹ کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ مراعات محض سکھوں کے لیے نہیں تھیں بلکہ اس سے پہلے یہی کچھ مسلمانوں کو بھی دیا جا چکا تھا، اگرچہ ابتدا میں انگریز نے تمام مذاہب کے لوگوں کو مساوی سہولیات مہیا کرنے کی کوشش کی اور ان کا مقصد ہندوستانی عوام کو تقسیم کر کے ان پر حکمرانی کرنا ہرگز نہ تھا لیکن جنگِ آزادی کے بعد عملی طور پر ایسا ممکن نہیں تھا اور حکومت کو برقرار رکھنے کے لیے اس پالیسی کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اب یہ امر باعثِ مجبوری تھا کہ عوام کی شناخت ہندوستانی ہونے کی بجائے مسلم اور غیر مسلم کی حیثیت سے کروائی جائے اور انہیں مذہبی بنیادوں پر تقسیم کیا جائے، شاید یہی وجہ ہے کہ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا نہ صرف حکومت کی طرف سے ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں کو دی جانے والی امداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا بلکہ

---

[19]۔ کوثری، آزاد، "پاکستانی کلچر کی مختلف جہتیں" (لاہور: ری پبلکن بکس، طبع اول 1988ء) ص: 53 بحوالہ مکرجی، "جدوجہدِ آزادی ہندوستان"، ص 233۔

[20]۔ ایضاً، ص: 51۔

[21]۔ ٹالبوٹ، آئن، ص: 47، 46۔

عیسائیت کے فروغ میں حکومت کی دلچسپی بھی بڑھتی گئی جس کے نتیجے میں نہ صرف نچلی ذاتوں کے ہندو بلکہ غریب سکھ اور مسلمان بھی عیسائیت کی طرف بڑھنے لگے تھے۔ٹالبوٹ کے بقول ان کتابوں کی تعداد تین لاکھ سے تجاوز کر گئی تھی جن کا مقصد عیسائیت کا فروغ تھا۔ اگرچہ پنجاب میں عیسائیوں کی تعداد بہت زیادہ نہ تھی لیکن یہ امر حیران کن ہے کہ 1881ء سے لے کر 1911ء تک صرف 30 سال کی قلیل مدت میں عیسائیوں کی آبادی میں 40 گنا اضافہ ہو گیا۔عیسائیت کا اس قدر تیزی سے وسعت اختیار کرنا ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے لیے تشویش کا سبب تھا۔انگریزوں کے دور میں میونسپل کمیٹیوں کے انتخابات کے دوران حالات کی خرابی کے ساتھ ساتھ جھگڑے اور فسادات معمول بن گئے، خوف و ہراس کی افزائش ہوئی اور رشوت کا استعمال عام ہو گیا۔ہندو اکثریت کی وجہ سے انتخابات جیت جاتے اور اپنی من مانی سے انتظام چلاتے، اس کے برعکس مسلمانوں میں ہارنے کے سبب اقلیت ہونے کا احساس عام ہو گیا۔[22]

مندرجہ بالا بحث سے واضح ہوتا ہے کہ انگریزوں نے ہندوستان میں بدامنی پھیلا کر عوام کو تقسیم کیا اور اپنی حکمرانی کی جڑیں مضبوط کیں نیز اپنے مقصد میں کامیابی کے لیے مسیحیت کا فروغ ضروری سمجھا۔ہندوستانیوں کے لیے یہ بات قابل قبول نہ تھی کہ ان کی نسلیں کسی نئے مذہب کو اختیار کریں۔ تاہم انگریز اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور آنے والے وقتوں میں ہندوستانی اپنی پہچان مسلم اور غیر مسلم کی حیثیت سے کروانے لگے۔ڈاکٹر تاراچند کے مطابق برطانوی سامراج کو یہ خطرہ تھا کہ ہندو اور مسلم متحد ہو گئے تو وہ ایک مضبوط قوم کی حیثیت سے سامنے آ جائیں گے۔ حکومتِ برطانیہ نے 1885ء میں قائم ہونے والی کانگریس کو بدنام کیا اور مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات بٹھا دی گئی کہ یہ صرف اور صرف ہندوؤں کی جماعت ہے لہٰذا کانگریس سے مسلمانوں کو کچھ امید نہ رکھنی چاہیے۔ مسلمانوں کو علیحدہ سیاسی تنظیم بنانے کا مشورہ بھی سرکاری افسروں کی طرف سے عطا کیا گیا تھا۔بنگال کی تقسیم اور بعد ازاں تنسیخ نیز جداگانہ انتخابات کا تحفظ بھی فرقہ وارانہ تضاد بڑھانے کی کامیاب کوشش تھی۔ یہ انگریز سرکار تھی جس نے دورخی پالیسی اختیار کی۔ اگرچہ ہندو اور مسلمان دونوں میں سے کوئی بھی تقسیم نہ چاہتا تھا مگر انگریزوں کی طرف سے ایسے راستے پیدا کیے گئے جن کی منزل صرف اور صرف تقسیم تھی۔[23]

فائق کامران کا یہ کہنا ہے کہ انگریز تجارت کی غرض سے ہندوستان میں داخل ہوئے اور ان کا مقصد ہندوستان کی تجارت پر قبضہ کرنا تھا لیکن بعد میں انہیں احساس ہوا کہ یہاں کی تجارت پر مکمل قبضہ کرنے کے لیے سیاسی بالادستی کا حصول

[22] ۔ٹالبوٹ، آئن، ص:85-88

[23] ۔چند، تارا، ''تاریخ تحریک آزادی ہند'' ترجمہ: ڈاکٹر ایم۔ہاشم قدوائی۔ علی گڑھ (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، حکومتِ ہند) 4/ 589-590

بھی ضروری ہے، بد قسمتی سے مغل حکمرانوں کے زوال نے ان کے لیے راستے کھول دیئے۔ 1757ء میں بنگال پر قبضہ کر کے انہوں نے ہندوستان میں اپنی حکومت کی بنیاد دکھی اور 1857ء تک پورے ہندوستان پر حکومت کرنے لگے۔ 1857ء سے بہت پہلے ہی انگریز ہندوستان میں کپڑے کی صنعت کو تباہ کر چکے تھے۔ ہندوستان سے باہر بھیجے جانے والے کپڑے پر اصل قیمت سے بھی کئی گنا زیادہ ٹیکس لگا دیا گیا اور ہندوستان میں درآمد ہونے والے کپڑے پر تمام ٹیکس ختم کر دیئے گئے۔ اس طرح انگلستان میں ہندوستانی کپڑا مہنگا ہونے کی وجہ سے وہاں کے لوگوں نے اسے خریدنا بند کر دیا اور یہاں کے لوگوں نے بھی باہر کا کپڑا سستا ہونے کی وجہ سے مقامی کپڑا خریدنا چھوڑ دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہاں کپڑے کے کارخانے بند ہو گئے اور جولاہے بیروزگار ہو گئے۔ اب ہندوستانیوں کے لیے صرف خام مال پیدا کر کے بیچنے کا راستہ ہی باقی رہ گیا تھا اور یہ بھی انگریز کے مفاد میں تھا۔ مسلم دورِ حکومت میں مالیات کے محکمے مسلمانوں کے پاس تھے۔ انگریز نے یہ محکمے مسلمانوں سے چھین کر ہندوؤں کو دے دیئے تھے، کیونکہ انگریز مسلمانوں کو کمزور کر کے ہندوؤں کو مضبوط کرنا چاہتا تھا۔ یہ ایک سوچی سمجھی سازش تھی جس کے مطابق انگریزوں نے ہندوؤں کو اپنی عنایات سے نواز کر انہیں مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا، انگریزوں نے ایسی کتابیں لکھوائیں جن کی وجہ سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اختلافات کو وسعت ملی۔[24]

مسلمانوں کے معاشی حالات تباہ کرنے کے لیے ایک طرف تو انگریزوں نے مسلمانوں سے مال گزاری کا محکمہ چھین کر ہندوؤں کو دے دیا جس سے ہندو تمام کسانوں پر حکمرانی کرنے لگے، دوسری طرف سرکاری نوکریوں سے مسلمانوں کو فارغ کر کے ہندوؤں کو تعینات کیا گیا جس کے سبب مسلمانوں کی سماجی حالت زوال پذیر ہو گئی۔ "حالات کا بنظرِ غائر جائزہ لیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ کمپنی نے جب اس ملک میں پوری طرح مسندِ اقتدار بھی نہیں سنبھالی تھی اسی وقت سے انگریزوں، ہندو تاجروں اور گماشتوں میں ایک رابطہ قائم ہو چکا تھا۔ یہ رابطہ بر سر اقتدار آنے کے بعد نہ صرف قائم رہا بلکہ اس میں مزید اضافہ ہو گیا۔ یوں بھی انگریز مسلمانوں کے مقابلے میں ہندوؤں پر زیادہ بھروسہ کرتے تھے اور یہ اسی انگریزی حکمتِ عملی کا اثر تھا کہ فوج میں صرف اودھ کے برہمنوں کی تعداد ساٹھ فیصد تھی۔"[25]

کامران کا یہ بھی کہنا ہے کہ مسلمانوں کو تعلیمی لحاظ سے پس ماندہ رکھنے کے لیے 1835ء میں انگریز کی طرف سے ایک تعلیمی پالیسی متعارف کرائی گئی جس کے تحت وہ تمام وظائف بند کرنے کا فیصلہ کیا گیا جو اب تک مشرقی علوم کے فروغ کے لیے دیئے

[24]۔ کامران، فائق، "تحریک پاکستان" (لاہور: فیروز سنز، 1976ء) ص: 13-14۔

[25]۔ کامران، فائق، تحریکِ پاکستان، ص: 16۔

جارہے تھے، اس پالیسی کے تحت آئندہ صرف انگریزی زبان و ادب کے لیے وظائف جاری کرنے کا اعلان کیا گیا۔ انگریز کی اس تعلیمی پالیسی کو ہندوؤں نے بخوشی قبول کیا کیونکہ ان کی بھلائی اسی میں تھی لیکن اس کے برعکس مسلمانوں نے اس کی مخالفت کی کیونکہ اس طرح ان کے مذہبی جذبات مجروح کیے جارہے تھے۔ مسلمانوں نے انگریزوں کے بنائے ہوئے ان مدارس کو اپنے لیے خطرہ تصور کیا جہاں عیسائیت کی تعلیم دی جانے لگی تھی۔ مسلمانوں کے شدید ردعمل کے باعث انگریز سرکار نے ایک سرکلر جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ سرکاری اداروں میں مسیحیت کی تعلیم دینے سے گریز کیا جائے لیکن اس سے عملی طور پر کوئی فائدہ نہ ہوا۔[26]

مندرجہ بالا بحث سے واضح ہوتا ہے کہ انگریزوں نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان مذہبی، سماجی و سیاسی فرق قائم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، انہوں نے اپنے ابتدائی ایام سے ہی ہندو قوم کو زیادہ سے زیادہ سہولیات اور مراعات فراہم کرکے مسلم قوم پرستی کو پروان چڑھایا جس کے نتیجے میں مسلمانوں نے علیحدگی پسندی کا اظہار کیا اور ایک خودمختار مملکت کا مطالبہ کیا۔ احمد سلیم کا یہ کہنا ہے کہ مسلمان اور ہندو شروع سے ہی محبت و خلوص اور اتفاق و اتحاد کے ساتھ رہتے تھے۔ تقسیم ہند کے وقت ان گنت مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں نے اپنے جان ومال کی قربانی دے کر دوسروں کے جان و مال بچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ ہندوستان میں انگریزوں نے سازش کے تحت مسلمانوں اور ہندوؤں کو تقسیم کیا تاکہ وہ ہندوستان پر اپنی حکمرانی مضبوط کرسکیں، انگریزوں نے ایک مذہب کے لوگوں کو دوسرے مذہب کے پیروکاروں سے لڑانے کے لیے کسی کو معاشی و سماجی تحفظ فراہم کیا اور کسی کو سیاسی محرومیوں کا احساس دلایا۔ انگریز نے اپنی حکومت قائم رکھنے کی خاطر چند افراد کو تو بڑی بڑی جاگیریں عطا کیں جبکہ غریب عوام کے لیے شہری علاقوں میں ملازمتوں اور دیہی علاقوں میں زمین سے متعلق ناہمواریاں پیدا کی گئیں، لوگوں کے خلوص و محبت کو ان کی دشمنیوں اور عداوتوں میں بدل دیا گیا اور نفرت و رقابت کے بیج بوئے گئے۔ اس ضمن میں مصنف کا کہنا ہے کہ انگریزوں نے مسلمانوں سے سندھ اور بنگال چھینا تو ان علاقوں میں مسلمانوں کی وفاداری حاصل کی جب کہ پنجاب اور پشتون علاقے سکھوں سے ہتھیا کر یہاں ہندوؤں اور سکھوں کو اپنا وفادار بنانے کی تگ و دو کی گئی۔ اس مقصد کے لیے انگریزوں نے جاگیردارانہ نظام کی بنیاد رکھی اور اپنے وفاداروں کو زمینیں عطا کیں، ان ہی وفاداروں کی بدولت انگریزوں نے اپنی بالادستی کو مضبوط کیا۔ بعد ازاں انگریزوں نے مذہبی فرقہ واریت کو پھیلانے کی طرف توجہ دی اور وہ مذہبی رواداری جو صدیوں سے برصغیر کے لوگوں کی پہچان رہی تھی۔

---

[26]۔ ایضاً، ص:18،17۔

اب تھوڑے ہی عرصے میں فرقہ واریت میں تبدیل ہو چکی تھی۔[27]

سلیم مزید کہتے ہیں کہ ہندوستان کے دیہی علاقوں میں ہمیں اقلیتوں کا کردار لازوال نظر آتا ہے۔ بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں متحدہ پنجاب میں کسانوں پر انگریزی مظالم کے جواب میں کسانوں کی ایک تحریک "پگڑی سنبھال جٹا" کے نام سے ابھر کر سامنے آئی جس میں ہندو، سکھ اور مسلمان برابر کے شریک تھے۔ اس تحریک کے سرگرم ہندو رہنما رجیت سنگھ اور لالہ راجپت رائے کو گرفتار کر کے جلاوطن کر دیا گیا۔ دراصل برطانوی حکومت جن جن رہنماؤں کو دبانا چاہتی تھی وہی لوگ عوام کے ہیرو بن کر سامنے آ رہے تھے۔ اس بات کا اندازہ ایک ہندو رہنما تلک کی گرفتاری سے ہوتا ہے جب "جولائی 1908ء میں نو آبادیاتی عدالت نے تلک کو سزا دی جس کے خلاف احتجاجاً بمبئی میں چھ دن تک ہڑتال رہی جس میں شہر کے ایک لاکھ ہندو، سکھ، مسلمان، مسیحی، پارسی اور دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے ٹیکسٹائل مزدوروں نے حصہ لیا۔ فیکٹریاں، کارخانے، دکانیں اور بازار بند رہے، بمبئی کی سڑکوں پر ہڑتالی مظاہرین اور پولیس میں تصادم ہوئے۔ بمبئی کی یہ ہڑتال جو 1908-1905ء کے دوران تحریکِ آزادی کا نقطہء عروج تھی، اس بات کی شاہد بنی کہ ہندوستانی عوام سیاسی جدوجہد کے میدان میں آنے لگے تھے۔"[28]

جنید قیصر نے جنوبی ایشیا کی تاریخ بیان کرتے ہوئے یہ بات واضح کی ہے کہ اس خطے میں مسلمان، ہندو، سکھ، عیسائی اور دوسرے مذاہب کے لوگ امن و سکون کی زندگی بسر کر رہے تھے اور ان کے درمیان کوئی مذہبی اختلاف موجود نہ تھا کیونکہ ریاست کا کوئی سرکاری مذہب نہ تھا لہٰذا مذہب کی بنیاد پر نہ تو لوگوں کا استحصال ہوا اور نہ ہی ان کی پسماندگی کی وجہ ریاست کا غیر مساوی سلوک تھا لیکن انگریزوں نے برصغیر میں آ کر تعصب اور نفرت کی فضا پیدا کی۔ کیونکہ وہ لوگوں کو مذہبی بنیادوں پر تقسیم کر کے اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کے خواہاں تھے۔[29]

نتائج:

ہندوستان میں مذہبی اقلیتوں کا ارتقاء کیسے اور کیونکر ہوا؟ اس ضمن میں مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ انگریز نے سکھوں، ہندوؤں اور مسلمانوں کے اہم افراد کو اپنے ساتھ ملایا جو اپنے اپنے علاقوں میں اثر و رسوخ کے مالک تھے اور اپنے علاقے کے لوگوں کو کنٹرول کر سکتے تھے۔ انگریز سرکار نے بلا تفریق مذہب اپنے مقصد کے لوگوں کو استعمال کرنے کی خاطر انہیں بڑی بڑی جاگیریں

27۔ احمد سلیم، ص:17۔

28۔ ایضاً، ص:69،68۔

29۔ قیصر، جنید، "پاکستانی اقلیتوں کا نوحہ" (لاہور: فکشن ہاؤس، 2007ء) ص: 92-93۔

عطا کیں کیونکہ متحدہ ہندوستان میں تمام زمین بادشاہ کی ملکیت ہوتی تھی اور کوئی بھی فردِ واحد زمین کا مالک نہیں ہوتا تھا لہٰذا برطانوی حکومت نے سکھوں اور مسلمانوں کو خصوصی طور پر ملکیتی بنیادوں پر زرعی اراضی عطا کر کے اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا۔ زمین کے یہ مالکان انگریزوں کے لیے کرائے کے وفادار تھے جو کسی بھی وقت بغاوت کر سکتے تھے۔ ان حالات میں ضروری تھا کہ انگریز اپنے لیے کوئی ایسا طبقہ بھی پیدا کرتا جو اس کا حقیقی وفادار ہوتا اور یہ وفادار طبقہ مذہب کی بنیاد پر وجود میں لایا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ انگریز کے ہندوستان پر قابو پاتے ہی یورپین مشنریوں کی آمد کا آغاز ہوتا ہے اور جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے، عیسائیت ایک بڑی مذہبی اقلیت کا روپ اختیار کرتی جاتی ہے۔

انگریز کی اس پالیسی نے ہندوستانیوں کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنے مذہبی معاملات پر بھی توجہ دیں، انہیں مشن کے اسکولوں سے تو کوئی اعتراض نہیں تھا تاہم ان کے لیے یہ خدشہ ضرور تھا کہ ان کی اولادیں اپنے مذاہب سے دور نہ ہو جائیں۔ اس کے نتیجے میں جہاں آریہ سماج نے اینگلو ویدک سکولوں کا جال پھیلا کر ہندو مت کو بنیاد بنا کر اپنے طلبہ کو انگریزی کی تعلیم دی وہاں مسلمانوں میں سر سید احمد خان نے علی گڑھ کالج قائم کر کے مسلمانوں کی نئی نسل کو اسلامی تعلیم اور انگریزی زبان و ادب سے روشناس کرایا اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔ ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں کے خود اپنے اندر نئے نئے اختلافات کی بنیاد پر مختلف تعلیمی و تنظیمی ادارے قائم ہوتے چلے گئے جس کا آخری منطقی انجام کانگریس اور مسلم لیگ جیسے سیاسی اداروں کا قیام تھا۔

انگریز کی آمد سے مسلمانوں کو سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ وہ اس اقتدار سے محروم ہو گئے جو ایک ہزار برس سے برقرار رکھے ہوئے تھے، مسلمان کل آبادی کا ایک چوتھائی تھے لیکن اقلیت میں ہونے کے باوجود حکومت کرتے رہے تھے۔ دوسری طرف انگریز کی آمد سے مسلمانوں میں شعور پروان چڑھا، ان کی سیاسی سوچ بیدار ہوئی، تعلیم اور تعلیمی اداروں سے ان کو واقفیت ہوئی اور وہ اپنے آپ کو ایک بڑی مذہبی اقلیت کے طور پر ہی نہیں بلکہ ایک قوم کی حیثیت سے منوانے میں بھی کامیاب ہو گئے اور آخر کار اپنے لیے ایک علیحدہ وطن حاصل کر لیا۔

ہندوستان کی تقسیم کانگریس اور مسلم لیگ کے اختلافات اور ان کے رہنماؤں کی سوچ کا نتیجہ تھی۔ جس میں دونوں جماعتوں کے رہنماؤں کے ذاتی خیالات بھی شامل تھے اور اس میں مذہب کو بھی ملوث کیا گیا۔ اس طرح ہندو مسلم اتحاد کی بجائے ہندو مسلم فساد کی بنیادیں مستحکم کی گئیں۔ ہمیں یہ بات بھی تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے علاوہ دوسرے مذاہب کے لوگوں کا تحریکِ آزادی میں کردار تو نمایاں ہے مگر تقسیمِ ہند کی راہ ہموار کرنے والوں میں ہم ان کا شمار نہیں کر سکتے کیونکہ ان کا مقصد صرف انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنا تھا۔ تاہم برطانوی دور میں مسلمانوں کے ساتھ

جو سلوک روا رکھا گیا اس کا آخری نتیجہ قیامِ پاکستان کے سوا کوئی اور نہ تھا اگر یہ اقلیتیں تقسیمِ ہند میں اپنی خدمات پیش نہ بھی کرتیں یا نئی مملکت پاکستان کے حق میں آواز نہ بھی اٹھاتیں تو بھی پاکستان کو وجود میں آنا تھا۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد ان لوگوں کا پاکستان کو اپنا وطن قبول کرنا اور ان کا بھارت میں نہ جانا ہی ان کے سچے، مخلص اور محبِ وطن ہونے کی دلیل ہے لہٰذا پاکستان کی تمام مذہبی اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کرنا ریاست کی اہم ذمہ داری ہے۔